ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

(۵)

مکّی دور — دعوت‘ تربیت اور تنظیم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ ﴾ (المدثر : ۱۔۳)

اس سے قبل یہ بات سامنے آچکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی امتیازی شان غلبۂ دینِ حق ہے‘ یعنی اس دینِ حق کو بالفعل قائم‘ غالب اور نافذ کرنا جو آپ ﷺ دے کر بھیجے گئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے ایک مکمل انقلابی جِدّوجُہد درکار ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں ہمیں وہ تمام مراحل نظر آتے ہیں جو کسی بھی انقلابی جِدّوجُہد میں پیش آنے لازمی ہیں۔ یہی بات ہے جو سورۃ المدّثر میں نہایت سادہ الفاظ میں فرمائی گئی ہے : ﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ ﴾ اور ”(اے محمدؐ!) اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کرو (اور اسے بالفعل قائم اور نافذ کرو)۔“

اس انقلابی جدّوجہد میں ظاہر بات ہے کہ پہلا مرحلہ جو ہمیں آپ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کے مکّی دَور میں نظر آتا ہے وہ مشتمل ہے دعوت و تبلیغ‘ تزکیہ اور تنظیم پر۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں تک تنظیم کا تعلق ہے اس کی بنیاد تھی لاالٰہ اِلاّ اللہ کے ساتھ محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان اور آپؐ کی بے چون وچرا اطاعت اور آپ ﷺ سے بہ دل و جان محبّت۔ یہی وہ چیز ہے جس نے آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو ایک بنیانِ مرصوص بنا دیا‘ ایک ایسی طاقت اور ایک ایسی قوت کہ جو حضور ﷺ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ آپؐ کے چشم و ابرو کے اشارے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے

ہر دم آمادہ رہتے تھے۔

البتہ جہاں تک دعوت یا تبلیغ کا تعلق ہے اس کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس کا مرکز و محور اور اس کا منبع اور اس کا مدار قرآن حکیم ہے۔ دعوت ہو یا تبلیغ، انذار ہو یا تبشیر، نصیحت ہو یا موعظت، یہاں تک کہ تربیت ہو یا تزکیہ، ان سب کی اساس اور ان سب کی بنیاد قرآن مجید پر ہے۔ یہ بات قرآن حکیم میں چار مقامات پر آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا جو منہج عمل اور جو طریقہ کار ہے اس کی بنیاد اِن عناصرِ چہارگانہ پر ہے :

﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾

"(ہمارا یہ رسول ﷺ) اُن پر اُس (یعنی اللہ) کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب یعنی احکامِ الٰہی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

اس حقیقت کو مولانا حالی نے نہایت سادہ الفاظ میں یوں ادا فرمایا ؎

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

پس یہ بات سامنے رہنی چاہئے کہ اگرچہ اس دعوت کا ہدف اور مقصود تکبیرِ رب یا اعلائے کلمۃ اللہ یا اظہارِ دینِ حق ہے، از روئے نصِّ قرآنی :

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾

"وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول الہدیٰ اور دینِ حق دے کر، تاکہ وہ (رسول) اس کو کل جنس دین پر پورے کا پورا غالب کر دے"۔

لیکن اس کا نقطۂ آغاز ہے "اِنذار" یعنی خبردار کرنا، آگاہ کرنا، وقوعِ قیامت سے خبردار کرنا، جزاء و سزائے اُخروی سے خبردار کرنا۔ یہ خبردار (WARN) کرنا، یہ "اِنذار" دعوتِ نبویؐ کا نقطۂ آغاز ہے۔ اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کے نقشِ قدم پر اگر کبھی کوئی دعوت اٹھانی اور برپا کرنی مقصود ہو تو اُس کا نقطۂ آغاز بھی "انذار"

ہی ہو گا۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس دعوت کے ضمن میں ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں ایک نہایت فطری اور حکیمانہ تدریج نظر آتی ہے۔ یہ دعوت الأقرب فالأقرب کے اصول پر آگے بڑھتی ہے۔ اس کا آغاز گھر سے ہوا۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے بعد آپؐ کے چچازاد بھائی ہیں جو آپؐ کے زیر کفالت بھی ہیں اور زیر تربیت بھی' یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ' پھر آپؐ کے انتہائی گہرے دوست ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر آپؐ کے وہ غلام ہیں کہ جنہیں آپؐ نے آزاد کر کے اپنا مُنہ بولا بیٹا بنالیا تھا' یعنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ یہاں سے دعوت آگے بڑھی کنبے اور قبیلے کی طرف۔ پھر جب تک کہ آپؐ اہلِ مکّہ سے مایوس نہیں ہو گئے آپؐ نے اپنی پوری دعوتی سرگرمی مکّے تک ہی محدود رکھی۔ مکّے والوں سے مایوس ہو کر ۱۰ نبوی میں آپؐ نے طائف کا سفر کیا' لیکن اہلِ طائف بھی اسلام کی دعوت سے محروم رہے۔

پھر جب مکے والوں کی مخالفت کی بناء پر آپ ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی تب بھی چھ سال کے عرصے تک' جب تک کہ اہلِ عرب نے صلح حدیبیہ کی شکل میں آپؐ کی حیثیت کو تسلیم نہ کر لیا' آپؐ نے اپنی تمام تر توجّہات اندرونِ ملکِ عرب میں ہی مرتکز رکھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے بیرونِ ملک دعوت کا آغاز فرمایا۔ یہ ہے تدریج جو بالکل فطری ہے اور نہایت حکیمانہ ہے۔

آخری بات اس ضمن میں یہ بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ دعوت و تبلیغ کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے وہ تمام وسائل اختیار فرمائے جو اُس وقت موجود تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ :

﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء : ۲۱۴)

"اور (اے نبیؐ) خبردار کیجئے اپنے قبیلے اور قرابت داروں کو"۔

تو آپ ﷺ نے دو دفعہ دعوتِ طعام کا اہتمام فرمایا' اور وہاں اپنی دعوت پیش کی' اگرچہ بظاہر احوال اور ہمارے دُنیوی معیارات کے اعتبار سے یہ دونوں کوششیں ناکام رہیں۔

بعد میں جب اسی طریقے سے بذریعۂ وحی آپؐ کو حکم ہوا :

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ (الحجر : ۹۴)

"پس (اے نبیؐ) آپؐ علی الاعلان دعوت دیجئے اس بات کی جس کا آپؐ کو حکم دیا گیا ہے!"

یعنی اب ڈنکے کی چوٹ وہ بات کہیے جس کے لئے آپؐ مامور ہوئے ہیں' تو آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر وہی نعرہ بلند کیا جس کا عرب میں رواج تھا : واصباحا!" ہائے وہ صبح جو آنے والی ہے" جس پر لوگ جمع ہو گئے۔ اور آپ ﷺ نے جب انہیں عذابِ آخرت سے خبردار کیا تو آپؐ کا سگا تایا ابولہب مجمع میں سے بول اٹھا : "تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا" معاذ اللہ' نقلِ کفر' کفر نباشد۔ "(اے محمد ﷺ) تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں' کیا تم نے ہمیں اس کام کے لئے جمع کیا تھا"؟ اس پر سورۃ اللھب نازل ہوئی جس کی پہلی آیت ہے :

﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ ﴾ (اللھب : ۱)

"(اصل میں تو) ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور ہلاک و برباد ہو گیا وہ خود"۔

یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں ابتدا تو اگرچہ آں حضور ﷺ نے خود فرمائی' لیکن جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر ایک داعیٔ حق بن گیا۔ ان میں نمایاں ترین مقام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد وہ خود مجسّم داعی بن گئے' خود مبلغ بن گئے۔ چنانچہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو چوٹی کے دس صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں' جنہیں ہم عشرۂ مبشرہ کے نام سے جانتے ہیں' ان میں سے چھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں ایمان لائے۔ اُن میں حضرت عثمان بھی ہیں' حضرت عبد الرحمٰن بن عوف بھی ہیں' حضرت طلحہ بھی ہیں' حضرت زبیر بھی ہیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص بھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم۔ دعوت کے اس عمل پر جو ردِّ عمل کفار کی طرف سے اور سردارانِ قریش کی جانب سے ظاہر ہوا اُس میں بھی ہمیں ایک عجیب ترتیب نظر آتی ہے' وہی ترتیب جو ہمیشہ کسی انقلابی دعوت کے خلاف ردِّ عمل میں ظاہر ہونی ضروری ہے۔ چنانچہ فوری ردِّ عمل جو ابتدا میں ظاہر ہوا وہ استہزاء اور تمسخر کا تھا۔ گویا کہ چٹکیوں میں بات اُڑانے کی

کوشش کی گئی۔ حضور ﷺ کو مجنون قرار دیا گیا' آپؐ پر معاذ اللہ پاگل پن کی پھبتی کسی گئی۔ کہا گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خلل دماغی کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے' یا شاید کسی آسیب کا اثر ہو گیا ہے' یہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں' اچھے بھلے آدمی تھے نہ معلوم کیا ہوا۔ (نقل کفر' کفر نہ باشد) نبی اکرم ﷺ جب یہ باتیں سنتے تھے اور آپؐ کے قلب مبارک پر رنج و اندوہ کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو تسلی و تشفی و دلجوئی کے لئے وحی الٰہی نازل ہوتی تھی۔

﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ○ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ○ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○ ﴾

(القلم : ۱-۴)

"ن۔ قسم ہے قلم کی اور اُس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔ (اے نبیؐ) آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں' اور یقیناً آپؐ کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ اور بے شک آپؐ اعلیٰ اخلاق کے مرتبے پر فائز ہیں"۔

اس کے بعد جب بات آگے بڑھی' قریش نے یہ دیکھا کہ جسے ہم ایک مشت غبار سمجھے تھے وہ تو ایک بہت بڑی آندھی کی صورت اختیار کر رہی ہے' ہمارے اقتدار' ہماری سیادت' ہماری دیرینہ روایات' ہمارے تہذیب و تمدن اور ہمارے عقائد و مذہب کے خلاف ایک بہت بڑی انقلابی جدوجہد کا آغاز ہو چکا ہے' گویا کہ علّامہ اقبال کے الفاظ میں انہوں نے دیکھا کہ ؏

"نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے!"

تو اب پھر وہی ردِّعمل ظاہر ہوا جو ہمیشہ ظاہر ہوتا ہے' یعنی بہیمانہ تشدّد' شدید persecution ـــــ اور ظاہر بات ہے کہ اس کا سب سے بڑا حصّہ انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے حصّے میں آیا جو کہ غلاموں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے' جن کا کوئی حمایتی نہیں تھا' جن کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں تھا' جیسے حضرت بلال' حضرت خباب بن الاَرت اور آلِ یاسر رضی اللہ عنہم۔ ان سب پر جو کچھ بیتی وہ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کے بڑے اَنمٹ نقوش ہیں' اور انہوں نے جس طرح صبر اور استقامت کے ساتھ' جس پامردی کے ساتھ ان

تمام مصائب کو جھیلا ہے اور ایمان پر ثابت قدم رہے ہیں وہ تاریخ دعوت و عزیمت کے نہایت اہم نشاناتِ راہ ہیں۔

جب یہ محسوس کرلیا گیا کہ ہمارے یہ تمام حربے ناکام ہو چکے، کسی ایک شخص کو بھی ہم ایمان سے کفر میں نہیں لاسکے، ہمارا یہ سارا تشدّد ناکام ہو چکا، تو پھر تیسرا حربہ آزمایا گیا۔ یہ حربہ ہے مصالحانہ پیش کشوں کا، یہ جال ہے لالچ کا۔ چنانچہ ابنِ ربیعہ قریش کی طرف سے نمائندہ بن کر حضور ﷺ کی خدمت میں آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے محمد! (ﷺ) اگر تم بادشاہت کے خواب دیکھ رہے ہو تو اگرچہ ہم اس مزاج کے نہیں ہیں کہ کسی کو بادشاہ مان سکیں، لیکن تمہیں ہم اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرلیں گے، اگر تمہیں دولت چاہئے تو ذرا اشارہ کرو، قدموں میں دولت کے انبار لگا دیئے جائیں گے، کہیں شادی کرنے کی خواہش ہو تو صرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہوگی، جس گھرانے میں کہو تمہارے شادی کرادی جائے گی، لیکن بہرحال تم اس کام سے باز آجاؤ جس نے قریش کے اندر تفرقہ برپا کردیا ہے۔ اس کا جو جواب دیا محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے وہ تاریخ عزیمت میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ فرمایا :

> "اگر تم لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور ایک ہاتھ میں چاند رکھ دو تب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا جس پر میں اپنے رب کی جانب سے مامور ہوا ہوں۔"

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ وقت بھی آیا کہ آخری الٹی میٹم دیا گیا۔ ایک وفد ابو طالب کے پاس آتا ہے جو حضور ﷺ کی پشت پناہی کئے چلے جارہے ہیں اور انہی کی وساطت سے بنو ہاشم کا پورا خاندان گویا نبی اکرم ﷺ کی پشت پر تھا۔ قریش کی طرف سے انہیں الٹی میٹم ملتا ہے کہ اے ابو طالب! ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، اب دو ہی راستے ہیں، یا محمد کی حمایت سے دست کش ہو جاؤ (ﷺ) اور یا پھر میدان میں آؤ اور مقابلہ کرو۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ ابو طالب کی ہمت بھی جواب دے گئی۔ انہوں نے حضور ﷺ کو بلایا اور یہ کہا کہ بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ جسے میں برداشت نہ کرسکوں۔ اور یہی وہ واحد موقع نظر آتا ہے جب حضور ﷺ کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ تاہم آپؐ نے بات وہی کہی جو عزیمت کا

تقاضا تھا۔ فرمایا :

"چچا جان! اب یا تو یہ کام پورا ہو کر رہے گا جو میرے رب کی طرف سے میرے حوالے کیا گیا ہے' اور یا میں اسی میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا"۔

نبی اکرم ﷺ پر ذاتی اعتبار سے بھی ایذا و آزمائش کے بہت سے مراحل آئے۔ آپ ﷺ پر دست درازی بھی ہوئی' آپؐ کے شانۂ مبارک پر راکھ بھی ڈالی گئی' آپؐ کے راستے میں کانٹے بھی بچھائے گئے' آپؐ کی گردن میں ایک چادر پھندے کی صورت میں ڈال کر' اُس کو بل دے کر اُس کے دونوں سروں کو کھینچا گیا کہ آپؐ کی آنکھیں اُبل آئیں۔ ایسا بھی ہوا کہ آپؐ اپنے خالق کے سامنے عین کعبے کی دیوار کے سائے میں سربسجود تھے اور وہاں عقبہ بن ابی معیط نے ابو جہل کی شہ پر ایک اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی حضور ﷺ کے شانۂ مبارک پر رکھ دی۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب یہ تعدّی' یہ تشدد' یہ ظلم و ستم انتہائی شدت کی صورت اختیار کرتا ہے اور پورے خاندانِ بنی ہاشم کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تین سال تک ایک گھاٹی میں محصور ہو کر گویا کہ ایک طرح کی نظربندی کی صورت میں بسر کرنے پڑتے ہیں' جس کے دوران شدید ترین مقاطعہ ہے اور کھانے پینے کی کوئی چیز گھاٹی میں داخل نہیں ہونے دی جا رہی۔ اس دوران وہ وقت بھی آیا کہ بنی ہاشم کے بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کے حلق میں ڈالنے کے لئے اس کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا کہ چمڑے کے سوکھے جوتوں کو اُبال کر اُن کا پانی ٹپکا دیا جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے ذاتی ابتلاء کا ابھی نقطۂ عروج باقی تھا جو ۱۰ نبوی میں سامنے آگیا۔ اس سال اگرچہ شعب بنی ہاشم کی اس نظربندی سے تو رہائی مل گئی لیکن اللہ کی طرف سے امتحان و ابتلاء اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئے کہ ایک ہی سال میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا اور ابو طالب کا بھی۔ گھر میں ایک دلجوئی کرنے والی رفیقۂ حیات تھی وہ بھی نہ رہی' اور خاندان کی پشت پناہی کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ابو طالب تھے وہ بھی اٹھ گئے۔ یہ وہ سال ہے جسے نبی اکرم ﷺ "عام الحزن" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ یہ رنج و غم اور اندوہ کا سال ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○○